مقالات

سود میں نئے مباحث کا اضافہ

(قسط ۵)

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی)

حرمتِ سود (ایجابی پہلو)

یہاں تک جو کچھ بحث ہم نے کی ہے اس سے توصرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ سود نہ تو کوئی معقول چیز ہے، نہ وہ انصاف کا تقاضا ہے، نہ وہ کوئی معاشی ضرورت ہے، اور نہ اس میں فی الحقیقت فائدے کا کوئی پہلو ہے۔ لیکن سود کی حرمت صرف ان منفی اسباب ہی پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر ایک نقصان دہ چیز ہے اور بہت سے پہلوؤں سے بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔

اس باب میں ہم ایک ایک کر کے اُن نقصانات کا تفصیلی جائزہ لیں گے تاکہ کسی معقول آدمی کو اس ناپاک چیز کی حرمت میں ذرہ برابر بھی شبہ باقی نہ رہ جائے۔

سُود کے اخلاقی و روحانی نقصانات سب سے پہلے اخلاق و روحانیت کے نقطۂ نظر سے دیکھئے کیونکہ اخلاق اور روح ہی اصل جوہر انسانیت ہے اور اگر کوئی چیز ہمارے اس جوہر کو نقصان پہنچانے والی ہو تو بہر حال وہ قابلِ ترک ہے خواہ کسی دوسرے پہلو سے اس میں کتنے ہی فوائد ہوں۔ اب اگر آپ سُود کا نفسیاتی تجزیہ کریں گے تو آپ کو بیک نظر معلوم ہو جائے گا کہ روپیہ جمع کرنے کی خواہش سے لے کر سُودی کاروبار کے مختلف مرحلوں تک پورا ذہنی عمل خود غرضی، بخل، تنگ دلی، سنگدلی اور زر پرستی جیسی صفات کے زیر اثر شروع ہوتا ہے، انہی صفات کے زیر اثر جاری رہتا ہے، اور جتنا جتنا آدمی اس کاروبار میں آگے بڑھتا جاتا ہے، یہی صفات اس کے اندر نشو و نما پاتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس زکوٰۃ، صدقات کی ابتدائی نیت سے لے کر اس کے عملی ظہور تک پورا ذہنی عمل فیاضی، ایثار، ہمدردی، فراخ دلی، عالی ظرفی اور خیر اندیشی جیسی صفات کے زیر اثر واقع ہوتا ہے اور اس طریق کار پر مسلسل عمل کرتے رہنے سے یہی صفات انسان کے اندر نشو و نما

باقی ہیں۔ کیا کوئی انسان دنیا میں ایسا ہے جس کا دل یہ شہادت نہ دیتا ہو کہ اخلاقی صفات کے اِن دونوں مجموعوں میں سے پہلا مجموعہ بدترین اور دوسرا مجموعہ بہترین ہے؟

تمدنی و اجتماعی نقصانات ب۔ تمدنی حیثیت سے دیکھیے۔ ایک ذرا سے غور و خوض سے یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں بآسانی آسکتی ہے کہ جس معاشرے میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں، کوئی اپنی ذاتی غرض اور اپنے ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے، ایک کی حاجت مندی دوسرے کے لئے نفع اندوزی کا موقع بن جائے اور مالدار طبقوں کا مفاد نادار طبقوں کے مفاد کی ضد ہو جائے، ایسا معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اس کے اجزا ہمیشہ انتشار و پراگندگی ہی کی طرف مائل رہیں گے۔ اور اگر دوسرے اسباب بھی اس صورتِ حال کے لئے مددگار بن جائیں تو ایسے معاشرے کے اجزا کا باہم متصادم ہو جانا بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کا اجتماعی نظام آپس کی ہمدردی پر مبنی ہو، جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کریں، جس میں ہر شخص دوسرے کی احتیاج کے موقع پر فراخ دلی کے ساتھ مدد کا ہاتھ بڑھائے، اور جس میں مالدار لوگ نادار لوگوں کے ساتھ ہمدردانہ اعانت، یا کم از کم منصفانہ تعاون کا طریقہ برتیں، ایسے معاشرے میں آپس کی محبت اور خیر خواہی اور دلچسپی نشو و نما پائیگی۔ اس کے اجزا ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ اور ایک دوسرے کے پشتیباں ہوں گے۔ اس میں اندرونی نزاع و تصادم کو راہ پانے کا موقع نہ مل سکیگا۔ اس میں باہمی تعاون اور خیر خواہی کی وجہ سے ترقی کی رفتار پہلے معاشرے کی بہ نسبت بہت زیادہ تیز ہوگی۔

ایسا ہی حال بین الاقوامی تعلقات کا بھی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ فیاضی و ہمدردی کا معاملہ کرے اور اسکی مصیبت کے وقت کھلے دل سے مدد کا ہاتھ بڑھائے، ممکن نہیں ہے کہ دوسری طرف سے اس کا جواب محبت اور شکر گذاری اور مخلصانہ خیر خواہی کے سوا کسی اور صورت میں برآمد ہو۔ اس کے برعکس وہی قوم اگر اپنی ہمسایہ قوم کے ساتھ خود غرضی و تنگ دلی کا برتاؤ کرے اور اسکی مشکلات کا ناجائز فائدہ اٹھائے تو ہو سکتا ہے کہ مال کی صورت میں بہت کچھ نفع اس سے حاصل کرے، لیکن یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ پھر اپنے اُس شائیلاک قسم کے ہمسایہ کے لئے اس قوم کے دل میں کوئی اخلاص اور محبت اور خیر خواہی باقی رہ جائے۔ ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری، پچھلی جنگ عظیم کے زمانہ کی بات ہے کہ انگلستان نے امریکہ سے ایک بھاری قرض کا معاملہ طے کیا جو [illegible] Agreement کے نام سے مشہور ہے۔ انگلستان چاہتا تھا کہ اُس کا خوشحال دوست جو اس لڑائی میں اس کا رفیق بھی تھا، اسے بلا سُود قرض

دے دے۔ لیکن امریکہ سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور انگلستان اپنی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوگیا کہ سود دینا قبول کرے۔

اس کا جو اثر انگریزی قوم پر مترتب ہوا وہ اُن تقریروں اور تحریروں سے معلوم ہو سکتا ہے جو اس زمانے میں انگلستان کے مدبرین اور اخبار نویسوں کی زبان اور قلم سے نکلیں۔ مشہور ماہر معاشیات لارڈ کینز آنجہانی، جنہوں نے انگلستان کی طرف سے یہ معاملہ طے کیا تھا، جب اپنے مشن کو پورا کر کے پلٹے تو انہوں نے برطانوی دارالامراء میں اس پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں تمام عمر اس رنج کو نہ بھولوں گا جو مجھے اس بات سے ہوا کہ امریکہ نے ہم کو بلاسود قرض دینا گوارا نہ کیا۔ مسٹر چرچل جیسے زبردست امریکہ پسند شخص نے کہا کہ یہ بنیے پن کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہوا ہے مجھے اسکی گہرائی میں بڑے خطرات نظر آتے ہیں"۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کا ہمارے باہمی تعلقات پر بہت ہی برا اثر پڑا ہے"۔ اُس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر ڈالٹن نے پارلیمنٹ میں اس معاملے کو منظوری کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا کہ "یہ بھاری بوجھ جسے لادے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں ہماری اُن قربانیوں اور جفاکشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترک مقصد کے لئے برداشت کیں۔ اس نرالے ستم ظریفانہ انعام پر آئندہ زمانہ کے مورخین ہی کچھ بہتر رائے زنی کر سکیں گے ..... ہم نے درخواست کی تھی کہ ہم کو قرضِ حسن دیا جائے، مگر جواب میں ہم سے کہا گیا کہ یہ عملی سیاست نہیں ہے"۔

یہ سود کا فطری اثر اور اُس کا لازمی نفسیاتی ردعمل ہے جو ہمیشہ ہر حال میں رونما ہوگا، خواہ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ یہ معاملہ کرے یا ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ۔ انگلستان کے لوگ یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے اور آج بھی وہ یہ نہیں مانتے کہ انفرادی معاملات میں سودی لین دین کوئی بری چیز ہے۔ آپ کسی انگریز سے بلاسودی قرض کی بات کریں۔ وہ فوراً آپ کو جواب دے گا کہ جناب یہ عملی کاروبار (Practial Business) کا طریقہ نہیں ہے۔ لیکن جب اسکی قومی مصیبت کے موقع پر اسکی ہمسایہ قوم نے اس کے ساتھ "یہ عملی" کاروبار کا طریقہ برتا تو ہر انگریز چیخ اٹھا اور اس نے تمام دنیا کے سامنے اس حقیقت پر گواہی دی کہ سود دلوں کو پھاڑنے والی اور تعلقات کو خراب کرنے والی چیز ہے۔

معاشی نقصانات | اب اس کے معاشی پہلو پر نگاہ ڈالیے۔ سود کا تعلق معاشی زندگی کے اُن معاملات سے ہے جن میں کسی نہ کسی طور پر قرض کا لین دین ہوتا ہے۔ قرض مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم کے قرضے وہ ہیں جو حاجت مند لوگ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے لیتے ہیں۔ دوسری قسم کے قرضے وہ ہیں جو تاجر اور صناع اور زمیندار اپنے نفع آور

کاموں میں استعمال کرنے کے لئے لیتے ہیں۔ تیسری قسم ان قرضوں کی ہے جو حکومتیں اپنے اہل ملک سے لیتی ہیں، اور اُن کی نوعیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض قرضے غیر نفع آور اغراض کے لئے ہوتے ہیں مثلاً جنگی قرضے۔ اور بعض نفع آور اغراض کے لئے ہوتے ہیں، مثلاً وہ جو نہریں اور ریلیں اور برقِ آبی کی اسکیمیں جاری کرنے کے لئے حاصل کیئے جاتے ہیں۔ چوتھی قسم اُن قرضوں کی ہے جو حکومتیں اپنی ضروریات کی خاطر غیر ممالک کے بازارِ زر سے لیتی ہیں۔ ہم ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ لے کر دیکھیں گے کہ اس پر سود عائد ہونے کے نقصانات کیا ہیں۔

اہلِ حاجت کے قرضے

دنیا میں سب سے بڑھ کر سُود خواری اُس کاروبار میں ہوتی ہے جو مہاجنی کاروبار (Lending Business) کہلاتا ہے۔ یہ بلا صرف برِعظیم ہند تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ایک عالمگیر بلا ہے جس سے دنیا کا کوئی ملک بچا ہوا نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی یہ انتظام نہیں ہے کہ غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کو ان کی ہنگامی ضروریات کے لئے آسانی سے قرض مل جائے اور بلا سُود نہیں تو کم از کم تجارتی شرحِ سُود ہی پر نصیب ہو جائے۔ حکومت اسے اپنے فرائض سے خارج سمجھتی ہے۔ سوسائٹی کو اِس ضرورت کا احساس نہیں۔ بینک صرف ان کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہیں جن میں ہزاروں لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ اور ویسے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک قلیل المعاش آدمی اپنی کسی فوری ضرورت کے لئے بینک تک پہنچ سکے اور اس سے قرض حاصل کر سکے۔ ان وجوہ سے مزدور، کسان، چھوٹے چھوٹے کاروباری آدمی، کم تنخواہوں والے ملازم اور عام غریب لوگ ہر ملک میں مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے بُرے وقت پر اُن مہاجنوں سے قرض لیں جو اپنی بستیوں کے قریب ہی ان کو گِدھ کی طرح شکار کی تلاش میں منڈلاتے ہوئے مل جاتے ہیں۔ اس کاروبار میں اتنی بھاری شرحِ سُود رائج ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سودی قرض کے جال میں پھنس جاتا ہے وہ پھر اس سے نہیں نکل سکتا، بلکہ دادا کا لیا ہوا قرض پوتوں تک وراثت میں منتقل ہوتا چلا جاتا ہے اور اصل سے کئی گنا سود ادا کر چکنے پر بھی اس قرض کی چٹان جوں کی توں آدمی کے سینے پر دھری رہتی ہے۔ پھر بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر قرض دار کچھ مدت تک سود ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو چڑھے ہوئے سُود کی رقم کو اصل میں شامل کر کے وہی مہاجن اپنا ہی قرض و سُود وصول کرنے کے لئے اسی شخص کو ایک اور بڑا قرض زیادہ شرحِ سُود پر دے دیتا ہے اور وہ غریب پہلے سے زیادہ زیر بار ہو جاتا ہے۔ انگلستان میں اس کاروبار کی کم سے کم شرحِ سود ۴۸ فی صدی سالانہ ہے جو ازروئے قانون دلوائی جاتی ہے۔ لیکن عام شرح جس پر وہاں یہ کاروبار چل رہا ہے ۲۵۰ سے ۴۰۰ فیصدی

سالانہ تک ہے اور ایسی مثالیں بھی پائی گئی ہیں جن میں بارہ تیرہ سو فی صدی سالانہ پر معاملہ ہوا ہے۔ امریکہ میں مہاجنوں کے لئے قانونی شرح سود ۳۰ سے ۶۰ فیصدی سالانہ تک ہے، لیکن ان کا عام کاروبار ۱۰۰ سے ۲۶۰ فی صدی تک سالانہ شرح پر ہو رہا ہے اور بارہا یہ شرح ۴۸۰ فیصدی تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ خود ہمارے اس برعظیم میں بڑا ہی نیک طبع ہے وہ مہاجن جو کسی غریب کو ۲۴ فیصدی سالانہ پر قرض دے دے، ورنہ عام شرح ۵۰ فیصدی سالانہ ہے جو بارہا ۱۵۰ فی صدی تک بھی پہنچ جاتی ہے، بلکہ ۳۰۰ اور ۳۵۰ فی صدی سالانہ شرح کی مثالیں بھی پائی گئی ہیں۔

یہ وہ بلائے عظیم ہے جس میں ہر ملک کے غریب اور متوسط الحال طبقوں کی بڑی اکثریت بُری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ اسکی وجہ سے قلیل المعاش کارکنوں کی آمدنی کا بڑا حصہ مہاجن لے جاتا ہے۔ شب و روز کی ان تھک محنت کے بعد جو تھوڑی سی تنخواہیں یا مزدوریاں اُن کو ملتی ہیں ان میں سے سود ادا کرنے کے بعد ان کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا کہ وہ دو وقت کی روٹی چلا سکیں۔ یہ چیز صرف یہی نہیں کہ ان کے اخلاق کو بگاڑتی اور انہیں جرائم کی طرف دھکیلتی ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کے معیارِ زندگی کو پست اور ان کی اولاد کے معیارِ تعلیم و تربیت کو پست تر کر دیتی ہے، بلکہ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ دائمی فکر اور پریشانی ملک کے عام کارکنوں کی قابلیتِ کار کو بہت گھٹا دیتی ہے اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی محنت کا پھل دوسرا لے اڑتا ہے تو اپنے کام سے ان کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے سودی کاروبار کی یہ قسم صرف ایک ظلم ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اجتماعی معیشت کا بھی بڑا بھاری نقصان ہے۔ یہ کیسی عجیب حماقت ہے کہ جو لوگ ایک قوم کے اصل عاملین پیدائش ہیں اور جن کی محنتوں ہی سے وہ ساری دولت پیدا ہوتی ہے جس پر قوم کی اجتماعی خوشحالی کا مدار ہے، قوم ان پر بہت سی جونکیں مسلط کیے رکھتی ہے جو ان کا خون چوس چوس کر ان کو نڈھال کیے رہتی ہیں۔ تم حساب لگاتے ہو کہ ملیریا سے اتنے لاکھ عملی گھنٹوں کا نقصان ہو جاتا ہے اور اسکی وجہ سے ملک کی معاشی پیداوار میں اتنی کمی واقع ہوتی ہے۔ اس بنا پر تم مچھروں پر پل پڑے ہو اور ان کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن تم اس کا حساب نہیں لگاتے کہ تمہارے سود خوار مہاجن تمہارے لاکھوں کارکنوں کو کتنا پریشان، کتنا بددل اور کتنا افسردہ کرتے رہتے ہیں، کس قدر ان کے جذبۂ عمل کو سرد اور ان کی قوتِ کار کو کم کر دیتے ہیں، اور اس کا کتنا برا اثر تمہاری معاشی پیداوار پر مترتب ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں تمہارے التفاتِ معکوس کا حال یہ ہے کہ تم ان مہاجنوں کا قلع قمع کرنے کے بجائے الٹا ان کے قرض داروں کو پکڑتے

ہو اور جو خون مہاجن خود اُن کے اندر سے نہیں سونت سکتا اسے تمہاری عدالتیں نچوڑ کر مہاجن کے حوالے کرتی ہیں۔

اس کا دوسرا معاشی نقصان یہ ہے کہ اس طرح غریب طبقے کی رہی سہی قوتِ خریداری بھی سُود خوار ساہوکار چھین لے جاتا ہے۔ لاکھوں آدمیوں کی بے روزگاری اور کروڑوں آدمیوں کی ناکافی آمدنی پہلے ہی تجارت و صنعت کے فروغ میں مانع تھی۔ اس پر تم نے اچھی آمدنیاں رکھنے والوں کو یہ راستہ دکھایا کہ وہ خرچ نہ کریں بلکہ زیادہ سے زیادہ رقم پس انداز کیا کریں۔ اس سے کاروبار کو ایک نقصان اور پہنچا۔ اب اس سب پر مستزاد یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں غریب آدمیوں کو ناکافی تنخواہوں اور مزدوریوں کی شکل میں جو تھوڑی بہت قوتِ خریداری حاصل ہو جاتی ہے اسکو بھی وہ اپنی ضروریاتِ زندگی خریدنے میں استعمال نہیں کرنے پاتے بلکہ اس کا ایک بڑا حصہ ساہوکار اُن سے چھین لیتا ہے اور اسکو اشیاء اور خدمات کی خریداری پر صرف کرنے کے بجائے سوسائٹی کے سر پر مزید سود طلب قرض چڑھانے میں استعمال کرتا ہے۔ ذرا حساب لگا کر دیکھیے۔ اگر دنیا میں ۵ کروڑ آدمی بھی ایسے ہیں جو مہاجنوں کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں، اور وہ اوسطاً ۱۰ روپے مہینہ سُود ادا کر رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر مہینے ۵۰ کروڑ روپے کا مال فروخت ہونے سے رہ جاتا ہے اور اتنی بھاری رقم معاشی پیداوار کی طرف پلٹنے کے بجائے مزید سودی قرضوں کی تخلیق میں ماہ بماہ صرف ہوتی رہتی ہے[1]۔

کاروباری قرض

اب دیکھیے کہ جو قرض تجارت و صنعت اور دوسری کاروباری اغراض کے لئے لیا جاتا ہے اُس پر سود کو جائز قرار دینے کے معاشی نقصانات کیا ہیں۔ صنعت، تجارت، زراعت اور دوسرے تمام معاشی کاموں کی بہتری یہ چاہتی ہے کہ جتنے لوگ بھی کسی کاروبار کے چلانے میں کسی طور پر حصہ لے رہے ہوں ان سب کے مفاد، اغراض اور دلچسپیاں اُس کام کے فروغ سے وابستہ ہوں۔ اس کا نقصان سب کا نقصان ہو تاکہ وہ اس کے خطرے سے بچنے کی مشترک سعی کریں، اور اس کا فائدہ سب کا فائدہ ہو تاکہ وہ اسکے بڑھانے میں اپنی پوری طاقت صرف

[1] اس جگہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۳۵ء قبل تقسیم کے ہندوستان کے متعلق اندازہ کیا گیا تھا کہ اس ملک کے مہاجنی قرضے کم از کم دس ارب روپے تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہ صرف ایک ملک کا حال ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ساری دنیا میں اس نوعیت کے قرضوں کی مجموعی مقدار کیا ہوگی اور جو شرحِ سود اس کاروبار میں رائج ہے اس کے لحاظ سے ماہانہ کس قدر سود مہاجنوں کے پاس پہنچتا ہوگا۔

کر دیں۔ اس لحاظ سے معاشی مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ جو لوگ کاروبار میں دماغی یا جسمانی کارکن کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف سرمایہ فراہم کرنے والے فریق کی حیثیت سے شریک ہوں ان کی شرکت بھی اسی نوعیت کی ہوتا کہ وہ کاروبار کی بھلائی برائی سے وابستہ رہیں اور وہ اس کے فروغ میں، اور اس کو نقصان سے بچانے میں پوری دلچسپی لیں۔ مگر جب قانون نے سود کو جائز کر دیا تو صاحبِ سرمایہ لوگوں کے لئے یہ راستہ کھل گیا کہ وہ اپنا سرمایہ شریک اور حصہ دار کی حیثیت سے کاروبار میں لگانے کے بجائے دائن کی حیثیت سے بصورت قرض دیں اور اس پر ایک مقرر شرح کے مطابق اپنا منافع وصول کرتے رہیں۔ اس طرح سوسائٹی کے معاشی عمل میں ایک ایسا نرالا غیر فطری عامل آکر مل جاتا ہے جو تمام عاملینِ پیدائش کے برعکس اس پورے عمل کی بھلائی برائی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اِس عمل میں نقصان آرہا ہو تو سب کے لئے خطرہ ہے مگر اس کے لئے نفع کی گارنٹی ہے، اس لئے سب تو نقصان کو روکنے کی کوشش کریں گے، مگر یہ اس وقت تک فکرمند نہ ہوگا جب تک کہ کاروبار کا بالکل ہی دیوالہ نہ نکلنے لگے۔ نقصان کے موقع پر یہ کاروبار کو بچانے کے لئے مدد کو نہیں دوڑے گا بلکہ اپنے مالی مفاد کو بچانے کے لئے اپنا دیا ہوا روپیہ بھی کھینچ لینا چاہےگا۔ اسی طرح معاشی پیداوار کے عمل کو فروغ دینے سے بھی براہ راست اسے کوئی دلچسپی نہ ہوگی، کیونکہ اس کا نفع تو بہر حال مقرر ہے۔ پھر آخر وہ کیوں اس کام کی ترقی و کامیابی کے لئے اپنا سر کھپائے؟ غرض سوسائٹی کے نفع اور نقصان سے بے تعلق ہوکر یہ عجیب قسم کا معاشی عامل الگ بیٹھا ہوا صرف اپنے سرمایہ کو "کرایہ" پر چلاتا رہتا ہے اور بے کھٹکے اپنا مقرر "کرایہ" وصول کرتا رہتا ہے۔

اس غلط طریقہ نے سرمایہ اور کاروبار کے درمیان، رفاقت اور ہمدردانہ تعاون کے بجائے ایک بہت ہی بری طرح کا خودغرضانہ تعلق قائم کر دیا ہے۔ جو لوگ بھی روپیہ جمع کرنے اور معاشی پیداوار کے کام پر لگانے کے مواقع رکھتے ہیں وہ اس روپے سے نہ خود کوئی کاروبار کرتے ہیں، نہ کاروبار کرنے والوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کا روپیہ ایک مقررہ منافع کی ضمانت کے ساتھ قرض کے طور پر کام میں لگے، اور پھر وہ مقررہ منافع بھی زیادہ سے زیادہ شرح پر ہو۔ اس کے بے شمار نقصانات ہیں، سے چند نمایاں ترین یہ ہیں:-

(۱) سرمایہ کا ایک معتدبہ حصہ، اور بسا اوقات بڑا حصہ محض شرح سود چڑھنے کے انتظار میں رکا پڑا رہتا

ہے اور کسی مفید کام میں نہیں لگتا۔ باوجودیکہ قابل استعمال وسائل بھی دنیا میں موجود ہوتے ہیں، روزگار کے طالب آدمی بھی کثرت سے مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں، اور اشیاء ضرورت کی مانگ بھی موجود ہوتی ہے، لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے نہ وسائل استعمال ہونے ہیں، نہ آدمی کام پر لگتے ہیں اور نہ منڈیوں میں حقیقی طلب کے مطابق مال کی کھپت ہوتی ہے، صرف اس لئے کہ سرمایہ دار جس شرح سے فائدہ لینا چاہتا ہے اس کے ملنے کی اسے توقع نہیں ہوتی اور اس بنا پر وہ کام میں لگانے کے لئے روپیہ نہیں دیتا۔

(۲) زیادہ شرح سود کا لالچ ہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر سرمایہ دار طبقہ کاروبار کی طرف سرمایہ کے بہاؤ کو خود کاروبار کی حقیقی ضرورت اور طبعی مانگ کے مطابق نہیں بلکہ اپنے مفاد کے لحاظ سے روکتا اور کھولتا رہتا ہے۔ اس کا نقصان کچھ اسی طرح کا ہے جیسے کوئی نہر کا مالک کھیتوں اور باغوں کی مانگ اور ضرورت کے مطابق پانی نہ کھولے اور نہ بند کرے، بلکہ اپنے پانی کے کھولنے اور بند کرنے کا ضابطہ یہ بنالے کہ جب پانی کی ضرورت نہ ہو تو وہ بے تحاشا پانی بڑے سستے داموں چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائے، اور جونہی کہ پانی کی مانگ بڑھنی شروع ہو وہ اس کے ساتھ ساتھ پانی کی قیمت چڑھاتا چلا جائے یہاں تک کہ اس قیمت پر پانی لے کر کھیتوں اور باغوں میں لگانا کچھ بھی نفع بخش نہ رہے۔

(۳) سود اور اسکی شرح ہی وہ چیز ہے جس کی بدولت تجارت وصنعت کا نظام ایک ہموار طریقہ سے چلنے کے بجائے تجارتی چکر کی اُس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے جس میں اُس پر بار بار کساد بازاری کے دورے پڑتے ہیں۔ اسکی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں اس لئے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

(۴) پھر یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے کہ سرمایہ اُن کاموں کی طرف جانے کے لئے راضی نہیں ہوتا جو مصالح عامّہ کے لئے مفید اور ضروری ہیں مگر مالی لحاظ سے اتنے نفع بخش نہیں ہیں کہ بازار کی شرح سود کے مطابق فائدہ دے سکیں اس کے برعکس وہ غیر ضروری مگر زیادہ نفع آور کاموں کی طرف بہ نکلتا ہے اور اُدھر بھی وہ کارکنوں کو مجبور کرتا ہے کہ شرح سود سے زیادہ کمانے کے لئے ہر طرح کے بھلے اور برے اور صحیح وغلط طریقے استعمال کریں۔ اس نقصان کی تشریح بھی ہم پہلے کر آئے ہیں اس لئے اس کو دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

(۵) سرمایہ دار لمبی مدت کے لئے سرمایہ دینے سے پہلو تہی کرتے ہیں، کیونکہ ایک طرف وہ سٹہ بازی کے لئے اچھا خاصہ سرمایہ ہر وقت اپنے پاس قابل استعمال رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف انہیں یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اگر آئندہ کبھی شرح سُود زیادہ چڑھی تو ہم اس وقت کم سود پر زیادہ سرمایہ پھنسا دینے سے نقصان میں رہیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل صنعت و حرفت بھی اپنے سارے کاروبار میں تنگ نظری و کم حوصلگی کا طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور مستقل بہتری کے لئے کچھ کرنے کے بجائے بس چلتا کام کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً ایسے قلیل المدت سرمایہ کو لے کر ان کے لئے یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ اپنی صنعت کے لئے جدید ترین آلات اور مشینیں خریدنے پر کوئی بڑی رقم خرچ کر دیں۔ بلکہ وہ پرانی مشینوں ہی کو گھس گھس کر بھلا برا مال مارکیٹ میں پھینکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تاکہ قرض و سود ادا کر سکیں اور کچھ اپنا منافع بھی پیدا کر لیں۔ اسی طرح یہ بھی ان قلیل المدت قرضوں ہی کی برکت ہے کہ منڈی سے مال کی مانگ کم آتے دیکھ کر فوراً ہی کارخانہ دار مال کی پیداوار گھٹا دیتا ہے اور ذرا سی دیر کے لئے بھی پیداوار کی رفتار کو علیٰ حالہ برقرار رکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا، کیونکہ اسے خطرہ ہوتا ہے کہ اگر بازار میں مال کی قیمت گر گئی تو وہ پھر بالکل دیوالہ کی سرحد پر ہوگا۔

(۶) پھر جو سرمایہ بڑی صنعتی و تجارتی اسکیموں کے لئے لمبی مدت کے واسطے ملتا ہے اس پر بھی ایک خاص شرح کے مطابق سود عائد ہونا بڑے نقصانات کا موجب ہوتا ہے۔ اس طرح کے قرضے بالعموم دس، بیس یا تیس سال کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں اور اس پوری مدت کے لئے ابتدا ہی میں ایک خاص فی صدی سالانہ شرح سود طے ہو جاتی ہے۔ اس شرح کا تعین کرتے وقت کوئی لحاظ اس امر کا نہیں کیا جاتا، اور جب تک فریقین کو علم غیب نہ ہو کیا جا بھی نہیں سکتا، کہ آئندہ دس بیس یا تیس سال کے دوران میں قیمتوں کا اتار چڑھاؤ کیا شکل اختیار کرے گا اور قرض لینے والے کے لئے نفع کے امکانات کس حد تک کم یا زیادہ ہوں گے یا بالکل نہ رہیں گے۔ فرض کیجئے کہ آج ایک شخص ۲۰ سال کے لئے ۷ فی صدی شرح سود پر ایک بھاری قرض حاصل کرتا ہے اور اس سے کوئی بڑا کام شروع کرتا ہے۔ اب وہ مجبور ہے کہ ۶۹ءسنہ تک ہر سال باقاعدگی کے ساتھ ایک طے شدہ حساب سے اصل کی اقساط اور سود ادا کرتا رہے۔

لیکن اگر ۱۹۸۰ تک پہنچتے پہنچتے قیمتیں گر کر موجودہ نرخ سے آدھی رہ جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص جب تک موجودہ حالت کی بہ نسبت اُس وقت دوگنا مال نہ بیچے وہ نہ اس رقم کا سود ادا کر سکتا ہے اور نہ قرضہ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُس ارزانی کے دور میں یا تو اس قسم کے اکثر قرض داروں کے دیوالے نکل جائیں یا وہ دیوالے سے بچنے کے لئے معاشی نظام کو خراب کرنے والی ناجائز حرکات میں سے کوئی حرکت کریں۔ اس معاملہ پر اگر غور کیا جائے تو کسی معقول آدمی کو اس امر میں کوئی شک نہ رہے گا کہ مختلف زمانوں میں چڑھتی اور گرتی ہوئی قیمتوں کے درمیان قرض دینے والے سرمایہ دار کا وہ منافع جو تمام زمانوں میں یکساں رہے نہ انصاف ہے اور نہ معاشیات کے اصولوں ہی کے لحاظ سے اسکو کسی طرح درست اور اجتماعی خوشحالی میں مددگار ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کیا دنیا میں کہیں آپ نے یہ سنا ہے کہ کوئی کمپنی جو اشیائے ضرورت میں سے کسی چیز کی فراہمی کا ٹھیکہ لے رہی ہو، یہ معاہدہ کرلے کہ وہ آئندہ تیس سال یا بیس سال تک یہ چیز اسی قیمت پر خریدار کو مہیا کرتی رہیگی؟ اگر یہ کسی لمبی مدت کے سودے میں ممکن نہیں ہے، تو آخر صرف سودی قرض دینے والا سرمایہ دار ہی وہ انوکھا سوداگر کیوں ہو جو برسہا برس کی مدت کے لئے اپنے قرض کی قیمت پیشگی طے کرلے اور وہی وصول کرتا چلا جائے۔

حکومتوں کے ملکی قرضے اب اُن قرضوں کو لیجئے جو حکومتیں اپنی ضروریات اور مصالح کے لئے خود اپنے ملک کے لوگوں سے لیتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو غیر نفع آور کاموں کے لئے لی جاتی ہے، اور دوسری قسم وہ جو نفع آور کاموں میں لگائی جاتی ہے۔

پہلی قسم کے قرضوں پر سود اپنی نوعیت کے لحاظ سے وہی معنی رکھتا ہے جو اہل حاجت افراد کے ذاتی قرضوں پر سود کی نوعیت ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ اس سے بھی بدتر چیز ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص جس کو ایک معاشرے نے جنم دیا، پالا پوسا، اس قابل بنایا کہ وہ کچھ کما سکے، خطرات سے اسکی حفاظت کی، نقصانات سے اسکو بچایا، اور معاشرے کے تمدنی و سیاسی اور معاشی نظام نے اُن تمام خدمات کا انتظام کیا جن کی بدولت وہ امن سے بیٹھا اپنا کاروبار چلا رہا ہے، وہ اُسی معاشرے کو اُن ضرورتوں کے موقع پر جن میں کسی مالی نفع کا کوئی سوال نہیں ہے اور جن کے پورا ہونے سے سب لوگوں کے ساتھ خود اس شخص کا

مفاد بھی وابستہ ہے، بلا سود روپیہ قرض دینے پر آمادہ نہیں ہوتا اور خود اپنے عزیز معاشرے سے کہتا ہے کہ تو چاہے اس روپے سے کوئی نفع کمائے یا نہ کمائے، مگر میں تو اپنی رقم کا اتنا معاوضہ سالانہ ضرور لیتا رہوں گا۔

یہ معاملہ اُس وقت اور بھی زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب کہ قوم کو جنگ پیش آئے اور سب کے ساتھ خود اس سرمایہ دار فرزندِ قوم کی اپنی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا سوال بھی درپیش ہو۔ ایسے موقع پر جو کچھ بھی قومی خزانے سے خرچ ہوتا ہے وہ کسی کاروبار میں نہیں لگتا بلکہ آگ میں پھونک دیا جاتا ہے۔ اس میں منافع کا کیا سوال؟ اور یہ خرچ اُس کام میں ہوتا ہے جس کی کامیابی و ناکامی پر ساری قوم کے ساتھ خود اس شخص کی اپنی موت و زیست کا بھی انحصار ہے۔ اور اس کام میں قوم کے دوسرے لوگ اپنی جانیں اور وقت اور محنت سب کچھ کھپا رہے ہوتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی یہ سوال نہیں کرتا کہ قومی دفاع کے لیے جو حصہ میں ادا کر رہا ہوں اس پر کتنا منافع سالانہ مجھ کو ملتا رہے گا۔ مگر پوری قوم میں سے صرف ایک سرمایہ دار ہی ایسا نکلتا ہے جو اپنا مال دینے سے پہلے یہ شرط کرتا ہے کہ مجھے ہر روپے پر اتنا منافع ہر سال ملنا چاہیے اور میرا یہ منافع اس وقت تک ملے جانا چاہیے جب تک ساری قوم مل کر میری دی ہوئی اصل رقم مجھے واپس نہ کر دے، خواہ اس میں ایک صدی ہی کیوں نہ لگ جائے، اور میرا یہ منافع اُن لوگوں کی جیبوں میں سے بھی آنا چاہیے جنہوں نے ملک اور قوم کی اور خود میری حفاظت کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں کٹوائے یا اپنے بیٹے، باپ، بھائی یا شوہر مفت کھو دیئے![1]

سوال یہ ہے کہ ایک معاشرے میں ایسا طبقہ آیا اس کا مستحق ہے کہ اسے سود کھلا کھلا کر پالا جائے یا اس کو اُس زہر کی گولیاں کھلائی جائیں جن سے کتے مارے جاتے ہیں؟

رہے دوسری قسم کے قرضے تو ان کی نوعیت اُن قرضوں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جو عام افراد

---

[1] اس موقع پر یہ معلوم کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا کہ انگلستان کے باشندے آج تک اپنے سرمایہ داروں کو اُن جنگی قرضوں کا سود ادا کیے جا رہے ہیں جو اب سے سوا سو برس پہلے اُن کے بزرگوں نے نپولین سے لڑنے کے لئے حاصل کیے تھے۔ اور امریکہ کے باشندے اُس رقم سے چوگنی رقم اب تک ادا کر چکے ہیں جو امریکن سول وار کے مصارف کے لیے ۱۸۶۱-۶۵ء میں قرض لی گئی تھی اور ابھی اُن کے ذمہ مزید ایک عرب ڈالر قریب اصل و سود واجب الادا ہے!

اور ادارے کاروباری اغراض کے لئے لیتے ہیں، لہٰذا ان پر بھی وہ سب اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو اوپر ہم نے کاروباری قرضوں کے سود پر کیے ہیں۔ عموماً حکومتیں نفع آور کاموں پر لگانے کے لئے لمبی مدت کے قرض لیتی ہیں۔ مگر کوئی حکومت بھی ایک مقرر شرح سود پر قرض لیتے وقت یہ نہیں جانتی کہ آئندہ بیس تیس سال کے دوران میں ملک کے اندرونی حالات اور دنیا کے بین الاقوامی معاملات کیا رنگ اختیار کریں گے اور ان میں اُس کام کی نفع آوری کا کیا حال رہے گا جس پر خرچ کرنے کے لئے وہ یہ سودی قرض لے رہی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت کے اندازے غلط نکلتے ہیں اور وہ کام شرح سود کے برابر بھی نفع نہیں دیتا کجا کہ اس سے زیادہ۔ یہ اُن بڑے اسباب میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے حکومتیں مالی مشکلات میں مبتلا ہوتی ہیں اور ان کے لئے پچھلے ہی قرضوں کے اصل و سود ادا کرنے مشکل ہو جاتے ہیں کجا کہ وہ مزید نفع آور تجاویز پر مزید سرمایہ لگا سکیں۔

علاوہ بریں یہاں بھی وہی صورت پیش آتی ہے جس کی طرف ہم پہلے کئی بار اشارہ کر چکے ہیں کہ بازار کی شرح سود ایک ایسی حد مقرر کر دیتی ہے جس سے کم نفع دینے والے کسی کام پر سرمایہ نہیں لگایا جا سکتا خواہ وہ کام پبلک کے لئے کتنا ہی ضروری اور مفید ہو۔ غیر آباد علاقوں کی آباد کاری، بنجر زمینوں کی درستی، خشک علاقوں میں آب پاشی کے انتظامات، دیہات میں سڑکوں اور روشنی اور حفظانِ صحت کا بندوبست، کم تنخواہیں پانے والے ملازموں کے لئے صحت بخش مکانات کی تعمیر، اور ایسے ہی دوسرے کام اپنی جگہ چاہے کتنے ہی ضروری ہوں اور ان کے نہ ہونے سے چاہے ملک اور قوم کا کتنا ہی نقصان ہو، مگر کوئی حکومت ان پر روپیہ صرف نہیں کر سکتی جب کہ اُن سے اتنا نفع حاصل ہونے کی توقع نہ ہو جو رائج الوقت شرح سود کے برابر یا اس سے زیادہ ہو سکے۔

پھر اس قسم کے جن کاموں پر سرمایہ لگایا جاتا ہے ان کے معاملہ میں بھی حقیقی صورتِ حال کیا ہوتی ہے؟ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حکومت اُس کے سود کا بارِ عام باشندوں پر ڈال دیتی ہے، ٹیکسوں کے ذریعہ سے ہر شخص کی جیب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ یہ سود نکالا جاتا ہے، اور سال کے سال لاکھوں روپے کی رقمیں جمع کر کر کے سرمایہ داروں کو مدتہائے دراز تک پہنچائی جاتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ ۵ کروڑ کے سرمایہ سے آب پاشی کی ایک بڑی اسکیم عمل میں لائی جاتی ہے، اور یہ سرمایہ ۶ فی صدی سالانہ شرح پر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس حساب سے حکومت کو ہر سال ۳۰ لاکھ روپیہ سود ادا کرنا ہوگا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حکومت اتنی بڑی رقم کہیں سے زمین کھود کر نہیں نکالیگی،

بلکہ اس کا بار اُن زمینداروں پر ڈالے گی جو آب پاشی کے اس منصوبے سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ہر زمیندار پر جو آبیانہ لگایا جائے گا اس میں ایک حصّہ لازماً اس سود کی رقم کا بھی ہوگا۔ اور زمیندار خود بھی یہ سود اپنی گرہ سے نہیں دے گا بلکہ وہ اس کا بار غلّے کی قیمت پر ڈالے گا۔ اس طرح یہ سود بالواسطہ ہر اُس شخص سے وصول کیا جائے گا جو اس غلّے کی روٹی کھائے گا۔ ایک ایک غریب اور فاقہ کش آدمی کی روٹی میں سے لازماً ایک ایک ٹکڑا توڑا جائے گا اور اُن سرمایہ داروں کے پیٹ میں ڈالا جائے گا جنہوں نے ۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ سود پر اس منصوبہ کے لئے قرض دیا تھا۔ اگر حکومت کو یہ قرض ادا کرتے کرتے ۵۰ برس لگ جائیں تو وہ غریبوں سے چندہ جمع کر کے امیروں کی مدد کرنے کا یہ فریضہ نصف صدی تک برابر انجام دیتی چلی جائے گی، اور اس سارے معاملہ میں خود اس کی حیثیت مہاجن کے "منیم جی" سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہ ہوگی۔

یہ عمل اجتماعی معیشت میں دولت کے بہاؤ کو ناداروں سے مالداروں کی طرف پھیر دیتا ہے حالانکہ جماعت کی فلاح کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالداروں سے ناداروں کی طرف جاری ہو۔ یہ خرابی صرف اُسی سود میں نہیں ہے جو حکومتیں نفع آور قرضوں پر ادا کرتی ہیں، بلکہ اُن سارے سُودی معاملات میں ہے جو تمام کاروباری آدمی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی تاجر یا صنّاع یا زمیندار اپنی گرہ سے وہ سُود ادا نہیں کرتا جو اسے سرمایہ دار کو دینا ہوتا ہے۔ وہ سب اس بار کو اپنے اپنے مال کی قیمتوں پر ڈالتے ہیں اور اس طرح عام لوگوں سے پیسہ پیسہ چندہ اکٹھا کر کے لکھ پتیوں اور کروڑ پتیوں کی جھولی میں پھینکتے رہتے ہیں۔ اس اوندھے نظام میں سب سے زیادہ "مدد کا مستحق" ملک کا سب سے بڑا دولت مند ساہوکار ہے، اور اسکی مدد کا فرض سب سے بڑھ کر جس شخص پر عائد ہوتا ہے وہ ملک کا وہ باشندہ ہے جو دن بھر اپنا خون پسینہ ایک کر کے ڈیڑھ روپیہ کما کر لائے اور پھر بھی اپنے نیم فاقہ کش بال بچوں کے لئے چٹنی اور روٹی کا انتظام کرنا اس پر حرام ہو جب تک کہ پہلے وہ اس چٹنی اور روٹی میں سے اپنے ملک کے سب سے بڑے "قابلِ رحم" کروڑ پتی کا "حق" نہ نکال دے۔

حکومتوں کے بیرونی قرضے آخری مد اُن قرضوں کی ہے جو حکومتیں اپنے ملک سے باہر کے ساہوکاروں سے لیتی ہیں۔ اس قسم کے قرض بالعموم بہت بڑی بڑی رقموں کے لئے ہوتے ہیں جن کی مقدار کروڑوں سے گذر کر بسا اوقات اربوں اور کھربوں تک پہنچ جاتی ہے۔ حکومتیں ایسے قرضے زیادہ تر اُن حالات میں لیتی ہیں جب اُن کے ملک پر

غیر معمولی مشکلات اور مصائب کا ہجوم ہوتا ہے اور خود ملک کے مالی ذرائع ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی نہیں ہوتے۔ اور کبھی وہ اس لالچ میں بھی اس تدبیر کی طرف رجوع کرتی ہیں کہ بڑا سرمایہ لے کر تعمیری کاموں پر لگانے سے ان کے وسائل جلدی ترقی کر جائیں گے۔ ان قرضوں کی شرحِ سود ۶-۷ فی صدی سے لے کر ۹-۱۰ فیصدی تک ہوتی ہے اور اس شرح پر اربوں روپے کا سالانہ سود ہی کروڑوں روپے ہوتا ہے۔ بین الاقوامی بازارِ زر کے سیٹھ اور ساہوکار اپنی اپنی حکومتوں کو بیچ میں ڈال کر ان کی وساطت سے یہ سرمایہ قرض دیتے ہیں اور اس کے لیے ضمانت کے طور پر قرض لینے والی حکومت کے محاصل میں سے کسی محصول مثلاً چنگی، تمباکو، شکر، نمک یا کسی اور مدکی آمدنی کو رہن رکھ لیتے ہیں۔

اس نوعیت کے سُودی قرضے اُن تمام خرابیوں کے حامل ہوتے ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں شخصی حاجات کے قرض اور کاروباری قرض اور حکومتوں کے اندرونی قرض اپنے اندر کوئی نقصان ایسا نہیں رکھتے جو ان بین الاقوامی قرضوں پر سود لگنے کے طریقہ میں موجود نہ ہو۔ اس لئے اُن خرابیوں اور نقصانات کا تو اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر قرض کی یہ قسم اُن سب کے ساتھ ایک اور خرابی بھی اپنے اندر رکھتی ہے جو اُن سب سے زیادہ خوفناک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان قرضوں کی بدولت پوری پوری قوموں کی مالی حیثیت خراب اور معاشی حالت تباہ ہو جاتی ہے جس کا نہایت برا اثر ساری دنیا کی معاشی حالت پر پڑتا ہے، پھر ان کی بدولت قوموں میں عداوت اور دشمنی کے بیج پڑتے ہیں، اور آخر کار انہی کی بدولت آفت رسیدہ قوموں کے نوجوان دل برداشتہ ہو کر انتہا پسندانہ سیاسی و تمدنی اور معاشی فلسفوں کو قبول کرنے لگتے ہیں اور اپنے قومی مصائب کا حل ایک خونی انقلاب یا ایک تباہی خیز جنگ میں تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس قوم کے مالی ذرائع پہلے ہی اپنی مشکلات یا اپنی ضرورتوں کو رفع کرنے کے لئے کافی نہ تھے، وہ آخر کس طرح اس قابل ہو سکتی ہے کہ ہر سال پچاس ساٹھ لاکھ یا کروڑ دو کروڑ روپیہ تو صرف سود میں ادا کرے اور پھر اس کے علاوہ اصل قرض کی اقساط بھی دیتی رہے۔ خصوصاً جب کہ اس کے ذرائع آمدنی میں سے کسی ایک بڑے اور زیادہ نفع بخش ذریعے کو تاک کر آپ نے پہلے ہی مکفول کر لیا ہو اور اسکی چادر پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہو کر رہ گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو قوم کوئی بڑی رقم اس طور پر سودی قرض سے لیتی

ہے، بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ اسکی وہ مشکلات رفع ہوجائیں جن سے نکلنے کے لئے اس نے یہ قرض لیا تھا۔ اس کے برعکس اکثر یہی قرض اسکی مشکلات میں مزید اضافہ کا موجب ہوجاتا ہے۔ قرض کی اقساط اور سود ادا کرنے کے لیئے اسے اپنے افراد پر بہت زیادہ ٹیکس لگانا پڑتا ہے اور مصارف میں بہت زیادہ کمی کردینی ہوتی ہے۔ اس سے ایک طرف قوم کے عوام میں بے چینی بڑھتی ہے، کیونکہ جتنا وہ خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو اس خرچ کے ہم وزن نہیں ملتا۔ اور دوسری طرف اپنے ملک کے لوگوں پر اس قدر زیادہ بار ڈال دینے پر بھی حکومت کے لئے قرض کی اقساط اور سود باقاعدہ ادا کرتے رہنا مشکل ہوجاتا ہے۔ پھر جب قرض دار ملک کی طرف سے ادائیگی میں مسلسل کوتاہی صادر ہونے لگتی ہے تو بیرونی قرض خواہ اس پر الزام لگانا شروع کرتے ہیں کہ یہ بے ایمان ملک ہے، ہمارا روپیہ کھا جانا چاہتا ہے۔ ان کے اشاروں پر ان کے قومی اخبارات اس غریب ملک پر چوٹیں کرنے لگتے ہیں۔ پھر ان کی حکومت بیچ میں دخل انداز ہوتی ہے اور اپنے سرمایہ داروں کے حق میں اُس پر صرف سیاسی دباؤ ہی ڈالنے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اسکی مشکلات کا ناجائز فائدہ بھی اٹھانا چاہتی ہے۔ قرض دار ملک کی حکومت اس پھندے سے نکلنے کے لئے کوشش کرتی ہے کہ ٹیکسوں میں مزید اضافہ اور مصارف میں مزید تخفیف کرکے کسی طرح جلدی سے جلدی اس سے چھٹکارا پائے۔ مگر اس کا اثر باشندگان ملک پر یہ پڑتا ہے کہ پیہم روز افزوں مالی بار اور معاشی تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے ان کے مزاج میں تلخی آجاتی ہے، بیرونی قرض خواہ کی چوٹوں اور سیاسی دباؤ پر اور زیادہ چڑھ جاتے ہیں، اپنے ملک کے اعتدال پسند مدبّروں پر ان کا غصہ بھڑک اٹھتا ہے اور معاملہ فہم لوگوں کو چھوڑ کر وہ اُن انتہا پسند جُواریوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں جو سارے قرضوں سے بیک جنبشِ زبان بری الذمہ ہو کر خم ٹھونک میدان میں آکھڑے ہوتے ہیں اور للکار کر کہتے ہیں کہ جس میں طاقت ہو وہ ہم سے اپنے مطالبات منوا لے۔

یہاں پہنچ کر سود کی شرانگیزی و فتنہ پردازی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ کیا اس پر بھی کوئی صاحب عقل و ہوش آدمی یہ ماننے میں تامّل کرسکتا ہے کہ سود ایک ایسی برائی ہے جسے قطعی حرام ہونا چاہیئے؟ کیا اس کے یہ نقصانات اور یہ نتائج دیکھ لینے کے بعد بھی کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں شک ہوسکتا ہے کہ

الربا سبعون جزءاً
ایسرھا ان ینکح
الرجل امہ۔
(ابن ماجہ۔ بیہقی)

سود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسکو
اگر ستّر اجزاء میں تقسیم کیا جائے تو
اس کا ایک ہلکے سے ہلکا جز اس
گناہ کے برابر ہوگا کہ ایک آدمی اپنی
ماں کے ساتھ زنا کرے۔

مسئلہ ملکیتِ زمین

- زمین کی شخصی ملکیّت از روئے قرآن
- زمین کی شخصی ملکیّت از روئے حدیث
- مزارعت کا مسئلہ
- اصلاح کے حدود اور طریقے

مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی

قیمت ایک روپیہ